بحث ونظر

تکرار — قرآن کا ایک اہم اسلوب

(افکارِ فراہیؒ کا مطالعہ)

جناب عبیداللہ فہد فلاحی

قرآن کے ایک عام قاری کو اس کے مطالعہ کے دوران ایک الجھن یہ محسوس ہوتی ہے کہ اسے کتاب میں بظاہر کوئی منطقی ترتیب نظر نہیں آتی۔ قرآن کے صفحات میں وہ دیکھتا ہے کہ اعتقادی مسائل، اخلاقی ہدایات، شرعی احکام، دعوت ونصیحت، عبرت، تنقید وملامت، تخویف وتبشیر، دلائل وشواہد، تاریخی قصّے اور آثار کائنات وغیرہ کی طرف اشارے بار بار ایک دوسرے کے بعد آرہے ہیں اور ایک ہی مضمون کو مختلف طریقوں سے مختلف الفاظ میں دوہرایا جارہا ہے لیکن یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ قرآن کوئی فلسفیانہ کتاب نہیں ہے نہ وہ اس قسم کا تحقیقی مقالہ ہے جسے ایک ریسرچ اسکالر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لینے کے لیے تیار کرتا ہے بلکہ یہ ایک دعوت اور ایک تحریک ہے جس کے مختلف مراحل اور تقاضوں کے مطابق اس کی آیات جستہ جستہ نازل ہوتی چلی گئی ہیں اور ہر مرحلے کی ضروری ہدایات اور احکامات نئے الفاظ، نئے اسلوب اور نئی آن بان سے نازل ہوتے رہے ہیں تاکہ ساری باتیں نہایت خوش گوار طریقے سے دلوں میں بیٹھ جائیں اور دعوت کی ایک ایک منزل اچھی طرح مستحکم ہوتی چلی جائے اور بنیادی عقائد اور اصول پہلے قدم سے آخری منزل تک کبھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائیں بلکہ ان کا اعادہ اور تکرار دعوت کے ہر مرحلے میں ہوتی رہے[1]۔

---

[1] مقدمہ تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، یہی بات کسی قدر فرق کے ساتھ مصطفیٰ صادق رافعی نے بھی کہی ہے دیکھئے تفصیل کے لیے: اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ ۱۹۶۹ء ص ۲۰۰ — ۲۱۹

جو لوگ قرآن کے اس انداز سے ناواقف ہیں وہ اس کی ادبی نزاکتوں اور معنوی گہرائیوں تک نہیں پہونچ پاتے اور انھیں قرآن میں بس تکرار ہی تکرار نظر آتی ہے[۲]۔ حالانکہ قرآن تکرار محض سے پاک ہے اور قرآن پر تدبر کرنے والے جانتے ہیں کہ مضامین کی یہ تکرار مختلف پیش و عقب اور لواحق و تضمنات کے ساتھ اس لیے ہوتی ہے تاکہ اس کی بات ہر طالب ہدایت کے ذہن نشین ہو جائے اور منکرین حق کے لیے قیل وقال کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

مثال کے طور پر سورہ قمر کو لیجئے۔ اس میں مندرجہ ذیل دو آیات ٹیپ کے بند کے طور پر ہر سرگزشت کے بعد بار بار آئی ہیں

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَ نُذُرِ ٥ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ٥ (۱۶، ۱۷)	پس میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا اور ہم نے قرآن کو تذکیر کے لیے آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی یاد دہانی حاصل کرنے والا۔[۳]

---

[۲] دی نیو انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کا مصنف لکھتا ہے: ..... "اس طرح قرآن اکثر یہ تاثر دیتا ہے کہ وہ کسی قدر الل ٹپ انداز میں مرتب کیا گیا ہے (By a ralker hapha zard method of composition) اور اس احساس کو اس حقیقت سے مزید تقویت ملتی ہے کہ مختلف محبوب اور دل نشیں جملے جیسے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ، وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ وغیرہ سیاق وسباق سے بہت کم تعلق رکھتے ہیں یا بالکل ہی متعلق نہیں ہوتے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں محض صوتی آہنگ کے لیے مربوط کر دیا گیا" (جلد ۱۵ ۱۹۷۱) اسلام سے متعلق اس طرح کی غلطیوں سے یہ انسائیکلوپیڈیا پُر ہے۔ خاص طور سے قرآن پر اس کا جو آرٹیکل ہے وہ جابجا نہ صرف اس کے تعصب بلکہ اس کی جہالت کا بھی مظہر ہے۔

[۳] اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے جس کے اندر کوئی دقائق و غوامض نہیں۔ اُس علیم وخبیر کے کلام کی نسبت ایسا گمان کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان آیات کے بار بار وارد ہونے سے کس کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ یہ تکرار محض ہے حالانکہ موقع و محل پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ ہر سرگزشت کے

(بقیہ گزشتہ حاشیہ) کیا یہ فرض کر لیا جائے کہ جب اللہ بندوں سے کلام کرتا ہے تو معاذ اللہ اپنے غیر متناہی علوم سے کورا ہو جاتا ہے۔ یقیناً اس کے کلام میں وہ حقائق اور باریکیاں ہوں گی جن کا کسی دوسرے کلام میں تلاش کرنا بیکار ہے اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ لا تنقضی عجائبہٗ (قرآن کے عجائب و اسرار کبھی ختم ہونے والے نہیں) علمائے امت اور حکمائے ملت نے اس کتاب کے دقائق و اسرار کا پتہ لگانے اور ہزار ہا احکام مستنبط کرنے میں عمریں صرف کردیں تب بھی اس کی آخری تہ تک نہیں پہونچ سکے۔

(علامہ شبیر احمد عثمانی حاشیہ سورہ قمر ص ۶۸۶)

اسی طرح تیسیر للذکر سے تیسیر للاستنباط بھی لازم نہیں آتا۔ اس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ ترغیب و ترہیب کے متعلق قرآن میں جو مضامین ہیں وہ نہایت جلی ہیں اور وجوہ استنباط کا دقیق ہونا تو خود ظاہر ہے۔ (مولانا اشرف علی تھانوی/مکمل بیان القرآن جلد ۱۱ ص ۸۲، آیت مذکور کا فائدہ)

تیسیر قرآن کے وہ نمایاں پہلو جو خود قرآن میں مذکور ہیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ یہ کتاب عربی مبین میں نازل ہوئی ہے یعنی قریش کی فصیح و بلیغ ٹکسالی زبان میں اس کا نزول ہوا ہے۔

۲۔ یہ کتاب بالتدریج نجماً نجماً نازل ہوئی ہے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالتدریج اس کو سنائیں اور سکھائیں اور اس کی تعلیمات اچھی طرح ہضم کریں۔ اگر پورا قرآن یک دفعہ نازل کر دیا جاتا تو یہ چیز تیسیر القرآن کے منافی ہوتی (بنی اسرائیل: ۱۰۶)

۳۔ قرآن کی تمام بنیادی تعلیمات پہلے گٹھے ہوئے الفاظ اور فقروں اور چھوٹی چھوٹی جامع اور محکم سورتوں کی شکل میں نازل ہوئیں پھر جب لوگ مانوس ہو گئے تو اللہ نے ان محکم فقروں کی وضاحت فرمائی (ہود: ۱)

۴۔ قرآن نے تصریف آیات سے خاصا کام لیا ہے۔ ایک ہی بات گوناگوں پہلوؤں سے مختلف شکلوں، مختلف سوابق و لواحق اور رتبے اطراف و جوانب کے ساتھ بیان ہوئی ہے تاکہ قاری کے دل میں وہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے (اعراف: ۵۸) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بعد ان آیات کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ مخاطب بیدار ہو جائے، سرگزشت سے نصیحت حاصل کرے اور قرآن کے مقصد نزول پر اس کی نگاہ جمی رہے۔ اس آیت سے پہلے یہ بات ارشاد ہوئی ہے کہ پیغمبر جس عذاب سے تمہیں آگاہ کر رہے ہیں وہ ایک امر شدنی ہے۔ آفاق و انفس سب اس کے گواہ ہیں۔ رسولوں اور ان کی قوموں کی تاریخ اس کی شاہد ہے لیکن تم مچل رہے ہو کہ جب اس عذاب کی نشانی دیکھ لو گے تب مانو گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعلیم و تذکیر کے لیے قرآن اتارا ہے جو ہر پہلو سے اس مقصد کے لیے جملہ لوازم سے آراستہ ہے تو آخر اس عظیم نعمت سے کیوں فائدہ نہیں اٹھاتے؟ عذاب کے تازیانے ہی کے لیے کیوں بے قرار ہو؟[۶]

مثال کے طور پر اسی سورہ میں قوم نوح کے عبرتناک انجام کی تاریخ دوہرائی گئی اور جہاں یہ داستان ختم ہوئی وہیں یہ آیت فٹ کر دی گئی۔ اسی طرح قوم عاد کی تکذیب اور اس کے نتیجے میں ان کی تباہی پر تبصرہ کیا گیا اور آخر میں بطور ترجیع یہ آیت پھر دوہرا دی گئی (۲۱، ۲۲) اسی طرح قوم ثمود، قوم لوط وغیرہ کا تذکرہ ہوا ہے اور اس کے بعد ہی یہ آیت آگئی ہے جو تنبیہ و تذکیر کے لیے نہایت موزوں ہے۔ اسی طرح سورہ مرسلات کا مطالعہ کیجئے۔ اس میں مندرجہ ذیل آیت دس بار وارد ہوئی ہے:

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (۱۵) تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی

یہاں خطاب ان ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں سے ہے جو ایک واضح حقیقت کو

(بقیہ گزشتہ حاشیہ) ۵۔ قرآن مکی اور مدنی سورتوں پر مشتمل سات گروپ میں منقسم ہے۔ یہ ساتوں گروپ مل کر قرآن عظیم کی شکل اختیار کرتے ہیں، ہر گروپ میں مطالب مشترک بھی ہیں اور فی الجملہ ایک دوسرے سے ممتاز بھی۔

تفصیل کے لیے دیکھئے تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی مکتبہ چراغ راہ کراچی ۱۹۵۱ء ص ۹۶

ـ ۱۷۱، علامہ حمید الدین فراہی/ دیباچہ تفسیر سورہ اخلاص ۔

[۶] زمخشری، الکشاف جلد ۴ ص: ۴۴۹ ، سن طباعت ۱۹۵۳ء

محض انانیت اور مکابرت کی وجہ سے جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے کان اور آنکھیں کھولنے کے لیے ضروری تھا کہ صرف دلائل بیان کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ہر دلیل کے بعد بطور تنبیہ ان کے جرم اور انجام سے ان کو آگاہ بھی کر دیا جائے۔ اگر مخاطب کے اس مزاج کی رعایت ملحوظ نہ رکھی جائے تو جس طرح مریض کے مزاج سے ناواقف معالج کی دوا بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے اسی طرح مخاطب کے مزاج سے ناآشنائی کی وجہ سے نعوذ باللہ کلام خداوندی بھی بے اثر ہو کر رہ جاتا۔ اس سورہ میں ہر دلیل کے بعد اس مختصر ترین جملے کے ذریعہ منکرین آخرت کو زبردست دھمکی دی ہے۔ اس اختصار و ابہام کے اندر جو ہولناکی مضمر ہے وہ بڑی سے بڑی تفصیل کے اندر بھی نہیں سما سکتی ہے[۵]

اس سورہ میں پہلی ترجیع فطرت کے عام احوال و معاملات سے استدلال کے لیے استعمال کی گئی ہے پہلے ہواؤں کے تصرفات سے استدلال کیا ہے کہ منکرین حق کو اپنی قوت و سطوت پر نازنہ ہونا چاہیے اللہ عذاب لانا چاہے تو اسے کوئی بڑا اہتمام نہیں کرنا ہے۔ ہوا جو بارش لاتی ہے، اسی میں ذرا سے تصرف سے چشم زدن میں انسانی آبادی کا نام و نشان مٹ سکتا ہے۔ پھر قیامت کے ہلچل کی تصویر بیان کی ہے اور آخر میں ترجیع کے بند کے ذریعہ منکرین و مکذبین کو ان کے انجام سے بھی ڈرا دیا گیا ہے۔

اس کے بعد کلام نے اپنا رخ بدل دیا ہے اور آفاق سے استدلال کرتے ہوئے گزرے ہوئے واقعات، تاریخ کے آثار اور آزمائی ہوئی سنت اللہ سے شہادت پیش کی گئی ہے۔ اور پچھلی قوموں کی تباہی و ہولناکی بیان کر کے ترجیع کی آیت دوبارہ لا کر منکرین حق کو ان کے اپنے انجام سے ڈرا دیا گیا ہے۔

اس کے بعد انفسی دلیل دی گئی ہے۔ اور انسان کی خلقت کے مختلف مراحل بیان کر کے منکرین کو دعوت فکر دی گئی ہے اس کے بعد وہی آیت ترجیع ہے اور اس

---

۵ دیکھئے تفسیر ابن کثیر ۴/ ۴۶۰ (عیسی الحلبی ایڈیشن) سید قطب فی ظلال القرآن ۲۹/ ۲۳۴

کا موقع یہ ہے کہ دوبارہ پیدا کیے جانے پر جو شبہات وارد کیے جا رہے ہیں ان کی تردید کے لیے تو خود ان کی خلقت ہی کافی ہے۔ ایک دن وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور وہ جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہی خرابی کا دن ہوگا۔

پھر کائنات سے استدلال کیا گیا ہے اور انسان کی پرورش و پرداخت کے اہتمام کے ذریعہ جزا و سزا پر دلیل فراہم کی گئی ہے اور پھر آیت ترجیع۔ اس طرح پوری سورہ میں ہر جگہ ترجیع کی یہ آیت خاص مفہوم رکھتی ہے۔

اسی طرح سورہ رحمٰن کو پڑھیے اور مندرجہ ذیل آیت کی ترجیع پر غور کیجیے

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (۱۳) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے

یہاں آپ دیکھیں گے کہ اس سورہ کی ایک ایک ترجیع اپنے محل میں اس طرح جڑی ہوئی ہے جس طرح انگشتری میں نگینہ ہوتا ہے۔ یہاں منکرینِ حق کو ایک نئے اور اچھوتے اسلوب میں یہ سمجھایا ہے کہ یہ اللہ کی رحمانیت ہے کہ اس نے تمہاری تعلیم کے لیے قرآن اتارا تمہاری فطرت کا تقاضا یہ تھا کہ اس پر لبیک کہتے اور عذاب کے ڈنڈے کا انتظار کرنے کے بجائے اس سے ہدایت حاصل کرتے لیکن یہ تمہاری کتنی بدبختی ہے کہ تم اس نعمت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے کوئی نئی نشانی دیکھنے کے لیے مچل رہے ہو۔ اگر کوئی نشانی ہی مطلوب ہے تو آسمان و زمین اور آفاق و انفس کی نشانیوں پر کیوں غور نہیں کرتے جو ہر روز تمہارے مشاہدے میں آتی ہیں اور تمہیں انہی حقائق کا درس دیتی ہیں جن کی دعوت قرآن دے رہا ہے۔ ان نشانیوں کی موجودگی میں کسی نئی نشانی کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے بعد آسمان و زمین کی ایک ایک نشانی پر انگلی رکھ کر توجہ دلائی ہے کہ یہ نشانیاں نہیں ہیں تو کیا ہیں، آخر اپنے رب کی کن کن نشانیوں کو جھٹلاتے رہو گے؟

مثال کے طور پر اس سورہ کی پہلی ترجیع منعم کی شکر گزاری اور اس کے حقوق کی ادائیگی پر ابھارتی ہے اور جو لوگ تکذیب پر تلے ہوئے ہیں ان کی سرزنش کرتی ہے کہ ہر قدم پر تمہارے سامنے تمہارے رب کی وہ نعمتیں موجود ہیں جو تمہیں مسئولیت کا احساس دلا رہی ہیں لیکن تم انکار کیے جا رہے ہو تو اس کی کن کن عنایتوں کی تکذیب کرو گے؟

دوسری ترجیع میں (۱۴–۱۶) انسانی خلقت کے مختلف مراحل سے جزا و سزا پر استدلال

کیا گیا ہے کہ جس طرح اس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا اسی طرح دوبارہ پیدا کرے گا۔ تم اپنی خلقت اوّل کی تردید اور انکار نہیں کر سکتے اسی طرح خلقت ثانی سے انکار کی بھی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

تیسری ترجیع میں (۱۷-۱۸) خدا کی عظمت وشان کے حوالے سے دلیل فراہم کی گئی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جس خدا کی عظمت وشان کا حال یہ ہے کہ مشرق ومغرب سب اس کے زیر نگیں ہیں اگر اس کے انذار کو ہوائی سمجھتے ہو تو آخر اس کی کن کن عظمتوں کا انکار کرو گے؟

چوتھی ترجیع اضداد کے توافق کے پہلو سے توحید کی دلیل فراہم کر رہی ہے اور منکرین کو متنبہ کر رہی ہے کہ اگر ان روشن شواہد کے بعد بھی تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے دیوی دیوتا خدا کی پکڑ سے تم کو بچا لیں گے تو آخر اپنے رب کی کن کن نشانیوں کو جھٹلاؤ گے؟ اسی طرح پوری سورہ میں ہر ترجیع اپنے موقع ومحل میں فٹ ہے اور ہر نئی دلیل کے بعد تذکیر وتنبیہ اور سرزنش کر رہی ہے۔

یہی حال سورہ شعراء کا ہے۔ اس میں بطور ترجیع آٹھ بار یہ آیات وارد ہوئی ہیں:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ	اس میں بے شک بہت بڑی نشانی
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَاِنَّ	ہے لیکن ان میں سے اکثر ایمان لانے
رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ○	والے نہیں ہیں اور بے شک تمہارا
(۸-۹)	رب غالب بھی ہے مہربان بھی۔

یہاں ہر سرگزشت کے بعد ان آیات کے دوہرانے کا مقصد یہ ہے کہ منکرین نبوت کو تنبیہ کی جائے اور ہر واقعہ یاد دلا کر یہ حقیقت ان کے ذہنوں میں بٹھا دی جائے کہ رسولوں اور ان کے مکذبین کی تاریخ اور اس باب میں سنت الٰہی وہ ہے جو بیان ہوئی اس لیے ان لوگوں کی تقلید کرنے سے بچیں جو خدا کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان سرکشوں کو جب چاہے پکڑ سکتا ہے وہ عزیز ہے لیکن وہ ان کو توبہ واصلاح کے لیے مہلت دیتا ہے اس لیے کہ وہ رحیم بھی ہے[۱۵]

---

[۱۵] تفصیل کے لیے دیکھئے، محمود عبدالوہاب، القرآن وعلم النفس ۱۹۶۲ء ص: ۱۰۸-۹۵

اسی طرح انسان کی ناشکری اور کفران نعمت پر قرآن میں بار بار تعجب اور افسوس کا اظہار کیا گیا ہے لیکن ہر جگہ ایک نیا مفہوم، جدید اسلوب اور اچھوتا طرز بیان ہے جو مقصد کی توضیح کے لیے نئے نئے گوشوں اور سمتوں کو اجاگر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ یونس اور سورہ زمر کی دو آیات کا تقابل کیجئے اور دیکھئے کہ تکرار کے اس اسلوب نے کیا کیا جدتیں پیدا کی ہیں اور دونوں میں کس قدر فرق موجود ہے:

سورہ یونس میں فرمایا

وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ٥ (۱۲)

اور انسان کا یہ حال ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف پہونچتی ہے تب تو لیٹے بیٹھے یا کھڑے ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو اس طرح چل دیتا ہے گویا کبھی تکلیف کے لیے جو اس کو پہنچی، اس نے ہم کو پکارا ہی نہیں تھا۔ اسی طرح حدود سے تجاوز کرنے والوں کی نگاہوں میں ان کے اعمال کھبا دیے گئے ہیں۔

یہی مضمون سورہ زمر میں اس طرح بیان ہوا ہے:

وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ

اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے اس کی طرف متوجہ ہو کر، پھر جب وہ اپنی طرف سے اس کو فضل بخش دیتا ہے تو وہ اس چیز کو بھول جاتا ہے جس کے لیے پہلے پکارتا رہا

عَنْ سَبِيلِهٖ ۚ قُلْ	تھا اور اللہ کے شریک ٹھہرانے لگتا
تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ	ہے کہ اس کی راہ سے لوگوں کو گمراہ
إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ	کرے۔ کہدو اپنے کفر کے ساتھ کچھ
النَّارِ ○	دنوں بہرہ مند ہولو، تم دوزخ والوں
(۸)	میں سے بننے والے ہو۔

یہ دونوں آیات ایک ہی مضمون کو بیان کرنے کے لیے وارد ہوئی ہیں اور بظاہر ان میں تکرار ہے لیکن مندرجہ ذیل نکات پر غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ دونوں میں لفظی و معنوی اعتبار سے کتنا فرق ہے:

ا۔ سورہ یونس کی مندرجہ بالا آیت اس آیت کے بعد واقع ہوئی ہے۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ	اگر اللہ لوگوں کے لیے عذاب کے
الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ	معاملے میں ویسی ہی سبقت کرنے والا
لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۖ	ہوتا جس طرح وہ ان کے ساتھ رحمت
	میں سبقت کرتا ہے تو ان کی مدت
	تمام کردی گئی ہوتی۔

پھر گفتگو کا رخ اس جانب مڑ گیا ہے کہ عذاب کے لیے جلدی مچانے کا معاملہ تو دور کی بات ہے خود مطالبۂ عذاب انسان کی طبیعت اور اس کے مزاج کے خلاف ہے کیونکہ جب اسے تکلیف لاحق ہوتی ہے اور وہ پریشانیوں میں گھر جاتا ہے تو اپنے خدا ہی کو پکارتا ہے۔ اس لیے جو لوگ عذاب کے لیے جلدی مچائے ہوئے ہیں وہ اپنے مطالبے میں صادق نہیں ہیں کیونکہ یہ ان کی فطرتِ تخلیق کے خلاف ہے۔

اس کے بالمقابل آخرالذکر آیت کا موقع و محل الگ ہے۔ یہاں زیرِ بحث آیت مندرجہ ذیل آیت کے بعد وارد ہوئی ہے:

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللّٰهَ	اگر تم ناشکری کرو گے تو خدا تم سے
غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۖ وَلَا يَرْضٰى	بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے

لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ○ (۷)

ناشکری کا رویہ پسند نہیں کرتا اور اگر تم اس کے شکرگزار رہوگے تو اس کو پسند کرے گا اور کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی پھر تمہارے رب ہی کی طرف تمہاری واپسی ہے تو وہ تمہیں ان کاموں سے آگاہ کرے گا جو تم کرتے رہے ہو۔ وہ سینوں کے بھیدوں سے بھی باخبر ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے کفر و شرک سے بے نیاز ہے وہ تمہارا محتاج نہیں ہے بلکہ تمہی اس کے محتاج ہو اگر تم اس کے شکرگزار رہوگے تو وہ اس کو پسند فرمائے گا اور اگر ناشکری کروگے تو اس کا نتیجہ بھی دیکھ لوگے لیکن جب تمہیں کوئی مصیبت پہونچتی ہے تب تو بڑے تضرع اور انابت کے ساتھ خدا سے فریاد کرتے ہو لیکن جب خدا اپنے فضل سے اس مصیبت کو دور کردیتا ہے تو مصیبت کو بھول کر خدا کے بخشے ہوئے فضل میں دوسروں کو شامل کرلیتے ہو ہوس لیے کہ تم کو خدا پر یقین نہیں ہے آخرت کی جوابدہی کا احساس ختم ہوچکا ہے اگر تمہیں آخرت کا خوف ہوتا تو تم اس کی نعمتوں پر اس کا شکرادا کرتے اور اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ ٹھہراتے۔

یعنی پہلی آیت میں انسانی فطرت کے مزاج اور اس کی خصوصیات کی طرف نشاندہی کرکے مطالبۂ عذاب کی تردید کی گئی ہے اور سورہ زمر میں آخرت اور قیامت پر ایمان اور احساس کو اجاگر کیا گیا ہے۔

۲۔ پہلی آیت میں دَعَانَا کے الفاظ ہیں جبکہ دوسری آیت میں دَعَا رَبَّهٗ کے کلمات ہیں۔ یہاں رَبَّهٗ کے ذریعہ یہ معنویت پیدا ہوگئی ہے کہ خود انسان کی فطرت میں اپنے رب کا شعور موجود ہے اور جب وہ غیراللہ کو شریک کرتا ہے تو گویا اپنی فطرت سے

بغاوت کرتا ہے۔

۳۔ پہلی آیت میں انسان سے مراد اس کی جنس ہے یعنی یہ مزاج اور طبیعت ہر انسان کے اندر ودیعت ہے لیکن سورہ زمر میں انسان سے مراد اس جنس کی ایک خاص نوع ہے یعنی کافروں کو مراد لیا گیا ہے کیونکہ معاً بعد جَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا کا جملہ موجود ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ یہاں انسان سے عام انسان مراد نہیں ہیں۔

۴۔ سورہ یونس والی آیت میں صرف "کشفِ ضرّ" یعنی تکلیف دور کرنے کا تذکرہ ہے لیکن سورہ زمر کی آیت میں اس سے آگے بڑھ کر "تخویلِ نعمت" یعنی مزید نعمت عطا کرنے کا بیان ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کی ہٹ دھرمی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب ان کی مصیبت دور کر دیتا ہے اور انھیں مزید انعامات سے نوازتا بھی ہے تب بھی ان کو ہوش نہیں آتا اور شرک پر ان کا اصرار باقی رہتا ہے۔

۵۔ پہلی آیت میں لَمَّا کا جواب اس بیان پر مشتمل ہے کہ وہ مصیبتوں سے نکلنے کے بعد پھر دنیوی چلت پھرت اور مادی دوڑ بھاگ میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس سنت الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے جو ہر خیر و شر کے پیچھے کارفرما ہوتی ہے لیکن دوسری آیت میں إذا کے جواب میں دو چیزیں بیان ہوئی ہیں ایک تو تکلیف کو بھول جانا اور دوسرے اپنے رب کو فراموش کر دینا اور اس کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہرانا۔

۶۔ پہلی آیت میں صرف اس امر کا تذکرہ ہے کہ یہ شیطان کی تزئین اور ملمع کاری ہے لیکن دوسری آیت میں نہایت واشگاف انداز میں تہدید ہے۔ دھمکی دی جا رہی ہے کہ اپنے کفر سے چند روز اور متمتع ہو لو۔ آخر کار تمہیں جہنم کا ایندھن بننا ہے[۲۵]

---

[۲۵] تفصیل کے لیے دیکھئے: العماری علی محمد حسن، القرآن والطبائع النفسیۃ ۱۹۶۶ء ص: ۱۲۸-۱۳۱، اسی طرح فاضل مصنف نے سورہ اعراف اور سورہ نساء کی دو متشابہ المعنی آیات کا تقابلی مطالعہ کیا ہے جس میں بنی اسرائیل کے تئیں رفع جبل کا تذکرہ ہے اور دکھایا ہے کہ کس طرح ذرا ذرا سی لغوی ترمیم اور تھوڑے سے اسلوب کے تغیر کے ساتھ مفہوم کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔

اس طرح جو چیز بھی تکرار محض معلوم ہو رہی تھی وہ بہت سے نئے معانی کی تاسیس و تفہیم کا ذریعہ بن گئی گرچہ دونوں آیات کا بنیادی مفہوم ایک ہے۔ اسی طرح قرآن کی تمام آیات جن میں بظاہر تکرار ہے، کا باہم تقابل کیا جا سکتا ہے۔

کیا تکرار کا یہ اسلوب بنی اسرائیل کے لیے خاص تھا؟

بعض علماء و مصنفین نے لکھا ہے کہ تکرار کا یہ اسلوب مخصوص طور پر بنی اسرائیل کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ اللہ نے قرآن میں جب عربوں کو مخاطب بنایا ہے تو ان سے اشارہ وکنایہ اور حذف و ایجاز کی زبان میں گفتگو کی ہے لیکن جہاں خطاب بنی اسرائیل سے ہے یا ان کی داستان بیان ہوئی ہے وہاں تفصیل، تکرار اور اطناب کی زبان استعمال ہوئی ہے تاکہ زیادہ بہتر طریقے سے تفہیم و تشریح ممکن ہو سکے اور وہ حقائق کو اچھی طرح سمجھ سکیں[۸]۔
مثال کے طور پر اہل مکہ کو خطاب کیا جاتا ہے تو معبودانِ باطل کی بے وقعتی ظاہر کرنے کے لیے مکھی اور مچھر کی مثالیں دی جاتی ہیں، تشبیہات و استعارات کا بکثرت استعمال ہوتا ہے اور مختصر و جامع الفاظ اور جملوں کے ذریعہ مطلب کی ادائیگی ہوتی ہے لیکن بنی اسرائیل کا قصہ چھڑتا ہے تو پوری شرح وبسط کے ساتھ اس کی تمام تفصیلات بیان کی جاتی ہیں اور بار بار ان کا اعادہ ہوتا ہے[۹]۔ لیکن یہ نکتہ پورے قرآن پر منطبق ہوتا دکھائی نہیں دیتا اس لیے کہ اہل عرب کو جہاں خطاب کیا گیا ہے وہاں بھی تفصیل موجود ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بنیادی عقائد، اصول و تعلیمات اور ارکان ایمان و اسلام پر جہاں گفتگو کی گئی ہے وہاں زیادہ جامع انداز اختیار کیا گیا ہے لیکن جہاں احکام و قوانین کا تذکرہ ہے وہاں قدرے تفصیل اور وضاحت سے کام لیا گیا ہے۔ پھر اس حقیقت کو نظر انداز کرنا بھی مشکل ہے کہ خود یہود اشارہ وکنایہ اور شعر و ادب کی زبان بخوبی سمجھتے تھے اور سموأل بن عادیا اور کعب بن اشرف جیسے ممتاز شعراء ان کے یہاں موجود تھے، مزید براں

---

۸ الجاحظ ابو عثمان عمرو بن بحر، کتاب الحیوان، حصہ اول تحقیق عبدالسلام محمد ہارون ص: ۹۴
۹ العسکری ابو ہلال الحسن بن عبداللہ بن سہل، کتاب الصناعتین ۱۹۵۲ء ص: ۱۹۳

قرآن اہل عرب اور یہود اور سارے ہی مذاہب کے پیروکاروں کو خطاب کرتا تھا اور ہر قسم کے انسان اس کی آیات سنتے تھے لیکن کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ ہمیں اشاری و رمزیاتی زبان چاہیے یا ہم اطناب و تکرار کے خوگر ہیں۔

جاہلی شعرا اس اسلوب سے مانوس تھے!

نزولِ قرآن سے پہلے جاہلی ادب میں یہ اسلوب بکثرت استعمال ہوتا تھا۔ عرب شعرا اس اسلوب سے نہ صرف آشنا تھے بلکہ اپنے کلام میں حسب ضرورت اسے جگہ دیتے تھے۔
مثال کے طور پر عبید بن الابرص الاسدی (۵۵۵ء) کہتا ہے:

نحمی حقیقتنا و بَعض القوم یسقط بَیْنَ بَیْنَا
هَلاَّ سَأَلت جموع کندہ اذ تولوا این اینا[۱۰]

(ہم اپنی حقیقت کی حفاظت کرتے ہیں جبکہ بعض قومیں کمزور اور بزدل ثابت ہوتی ہیں
تم نے کیوں نہیں کندہ کے فوجیوں سے پوچھا جبکہ وہ پیچھے ہٹ رہے تھے کہ بھگوڑو
کہاں بھاگے جا رہے ہو؟)

یہاں ان دونوں اشعار میں شاعر نے اَینَ اَینَا اور بَینَ بَینَ کی تکرار کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے استعمال کی ہے۔ اسی طرح عوف بن عطیہ بن خرع الربابی کہتا ہے:

وکادت فزارۃ تصلی بنا فاُولٰی فزارۃ اولی فزارۃ[۱۱]

---

[۱۰] دیوان عبید بن الابرص، بیروت ۱۹۵۸ء ص: ۲ – ۱۴۱ / ابن الشجری، مختارات تحقیق محمد حسن زاتی ۱۹۲۵ء ص: ۲۹ / عسکری، کتاب الصناعتین ص: ۱۴۴ / ابن قتیبہ، تاویل مشکل القرآن ۱۲۷۳ھ ص: ۱۴۳، ۱۸۳ / شرح دیوان امرئ القیس ۱۳۲۲ھ ہندوستانی ایڈیشن ص: ۴

[۱۱] المفضل ابو العباس، المفضلیات تشریح حسن آسندوبی ۱۳۲۵ھ ص: ۱۹۹ / الصاحبی ص ۱۹۴ / سیبویہ ۱ / ۳۲۱ / تاویل مشکل القرآن ص: ۱۸۳ / الباقلانی، اعجاز القرآن تحقیق السید احمد الصقر دار المعارف مصر ص: ۱۶۰۔

(قریب تھا کہ فزارہ ہم سے سکون اور ہمدردی حاصل کرتی، افسوس ہے فزارہ پر افسوس ہے فزارہ پر)

اسی طرح مہلہل بن ربیعہ کا وہ مرثیہ پڑھئے جو اس نے اپنے بھائی کُلَیب کی موت پر کہا ہے۔ یہ پہلا قصیدہ ہے جس میں تیس اشعار ہیں اور ترجیع کا بند دس بار استعمال کیا گیا ہے:۔

۱۔ علیٰ أن لیس عدلاً من کلیب	إذا خاف المغار علی المغیر
۲۔ علیٰ أن لیس عدلاً من کلیب	اذا طرد الیتیم عن الجزور
۳۔ علیٰ ان لیس عدلاً من کلیب	اذا ماضیم جار المستجیر
۴۔ علیٰ ان لیس عدلاً من کلیب	اذا ضاقت رحیبات الصدور
۵۔ علیٰ ان لیس عدلاً من کلیب	اذا خاف المخوف من الثغور
۶۔ علیٰ ان لیس عدلاً من کلیب	اذا طالت مقاساۃ الامور
۷۔ علیٰ ان لیس عدلاً من کلیب	إذا ھبّت ریاح الزمہریر
۸۔ علیٰ ان لیس عدلاً من کلیب	اذا وثب المثار علی المثیر
۹۔ علیٰ ان لیس عدلاً من کلیب	اذا برزت مخبّاۃ الخدور
۱۰۔ علیٰ ان لیس عدلاً من کلیب	اذا ھتف المثوب بالعشیر[۱۲]

ترجمہ: ۱۔ قاتل کا کلیب سے کیا مقابلہ ہو سکتا تھا جبکہ لوگ حملہ آور سے خوف کھانے لگتے تھے!

۲۔ قاتل کلیب کا ہمسر ہی نہیں تھا جبکہ یتیم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جاتا تھا!

۳۔ کلیب کا کوئی مدمقابل نہ تھا جبکہ پناہ کے طالب کے پڑوسی پر ظلم کیا جاتا تھا!

۴۔ کلیب کی کوئی نظیر نہ تھی جبکہ سینوں کی کشادگیاں تنگیوں میں تبدیل ہو جاتی تھیں!

۵۔ کلیب کا کوئی حریف نہ تھا جبکہ بزدل سرحدوں سے خوف کھانے لگتے تھے!

۱۲؎ القالی ابوعلی، کتاب الامالی ۲/ ۱۲۹/ مہذب الاغانی ۱/ ۱۹۰/ فواد افرام البستانی، المہلہل ۱۹۳۹ء ص: ۷۰۶

۶۔ کلیب کا حریف بننا ممکن نہ تھا جبکہ سخت معاملات دراز ہو جاتے تھے۔
۷۔ کلیب کا کوئی مثیل نہ تھا جبکہ سخت ٹھنڈک کی ہوائیں چلنے لگتی تھیں۔
۸۔ کلیب کا کوئی مقابلہ نہ کرسکتا تھا جبکہ مخاطب ابھارنے والے پر حملہ کر بیٹھتا تھا۔
۹۔ کلیب کا مقابلہ کرنا مشکل تھا جبکہ پردہ نشینوں کے پردے اٹھ جاتے تھے۔
۱۰۔ کلیب سے کوئی بازی نہ لیجا سکتا تھا جبکہ فریادرس احباب واقارب سے فریاد طلب کرتا تھا۔

اسی طرح حارث بن عبّاد کا وہ قصیدہ بھی ملاحظہ فرمائیے جو اس نے اپنی قوم کو جنگ پر ابھارتے ہوئے کہا تھا۔ اس قصیدہ میں اس نے قرّبا مربط النعامۃ منّی کی تکرار چودہ بار کی ہے اور ابن بدرون کے بقول پچاس سے زائد بار اس ٹکڑے کو اس نے استعمال کیا ہے:

۱۔ قرّبا مربط النعامۃ منّی	لقحت حرب وائل عن حیال
۲۔ قرّبا مربط النعامۃ منی	لیس قولی یراد ولکن فعالی
۳۔ قرّبا مربط النعامۃ منی	جدّ نوح النساء بالاعوال
۴۔ قرّبا مربط النعامۃ منی	شاب راسی وانکرتنی القوالی
۵۔ قرّبا مربط النعامۃ منی	للسریٰ والغدوّ والآصال
۶۔ قرّبا مربط النعامۃ منی	طال لیلی علی اللیال الطوال
۷۔ قرّبا مربط النعامۃ منی	لاعتناق الابطال بالابطال
۸۔ قرّبا مربط النعامۃ منی	واعدلا عن مقالۃ الجہّال
۹۔ قرّبا مربط النعامۃ منی	لیس قلبی عن القتال بسال
۱۰۔ قرّبا مربط النعامۃ منی	کلما ھبّت ریح ذیل الشمال
۱۱۔ قرّبا مربط النعامۃ منی	لبُجیر مفکّک الاغلال
۱۲۔ قرّبا مربط النعامۃ منی	لکریم متوّج بالجمال
۱۳۔ قرّبا مربط النعامۃ منی	لا نبیع الرجال بیع النّعال
۱۴۔ قرّبا مربط النعامۃ منی	لبُجیر فداہ عمّی وخالی[۳۱]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: ۱۔ نعامہ (شاعر کے گھوڑے کا نام) کو مجھ سے قریب لاؤ کہ وائل کی جنگ طلب مبارزت سے بھڑک اٹھی ہے۔
۲۔ نعامہ کو مجھ سے قریب لاؤ۔ میرے قول کو نہیں بلکہ میرے فعل کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔
۳۔ نعامہ کو مجھ سے قریب لاؤ کہ عورتوں کا نوحہ و ماتم اور ان کی چیخ و پکار بہت ہو چکی۔
۴۔ نعامہ کو مجھ سے قریب لاؤ۔ میرے سر پہ بڑھاپا طاری ہو چکا ہے اور نفرت کرنے والی عورتیں مجھے اجنبی سمجھنے لگی ہیں۔
۵۔ نعامہ کو مجھ سے قریب لاؤ کہ صبح و شام اور راتوں کو سفر کرنا ہے۔
۶۔ نعامہ کو مجھ سے قریب لاؤ کہ لمبی راتوں سے بھی میری رات لمبی ہو چکی ہے۔
۷۔ نعامہ کو مجھ سے قریب لاؤ کہ سورما ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوں۔
۸۔ نعامہ کو مجھ سے قریب لاؤ اور جاہلوں کی باتوں سے صرف نظر کرو۔
۹۔ نعامہ کو مجھ سے قریب لاؤ۔ میرا دل جنگ کے بغیر تسلی نہیں پا سکے گا۔
۱۰۔ نعامہ کو مجھ سے قریب لاؤ جب جب شمال کے اطراف کی ہوا چلے!
۱۱۔ نعامہ کو مجھ سے قریب لاؤ بُجَیر (مقتول بیٹے کا نام) کی خاطر جو بیڑیوں کو کھولنے والا تھا۔
۱۲۔ نعامہ کو مجھ سے قریب لاؤ اس شریف کی خاطر جو حسن و جمال کے تاج سے آراستہ تھا۔
۱۳۔ نعامہ کو مجھ سے قریب لاؤ ہم جوتوں کی طرح آدمیوں کو فروخت نہیں کرتے۔
۱۴۔ نعامہ کو مجھ سے قریب لاؤ بُجَیر کی خاطر، اس پر میرے چچا اور میرے ماموں قربان ہوں[۱۴]

---

[۱۳] الیسوعی لویس شیخو، شعراء النصرانیۃ ۱۸۹۰ء ص: ۲۷۲، ۲۷۳
[۱۴] اس قصیدہ کی خبر جب مہلہل کو پہنچی جس نے شاعر کے بیٹے بجیر کو قتل کیا تھا تو اس نے بھی ترکی بہ ترکی جوابی قصیدہ کہا اور اس نے اپنے اشعار میں قَرِّبا مربَطَ المُشَهَّرِ مِنّی کو چودہ بار بطور ترجیع استعمال کیا مشتے نمونہ از خروارے چند اشعار درج ہیں

۱۔ قرِّبا مربطَ المشهَّرِ منی　　لِکُلَیبَ الّذی أَشَابَ قذالی
۲۔ قرِّبا مربطَ المشهَّرِ منی　　واَسْئَلا لانی ولا تُطیلا سُؤالی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صاحب معلقہ عمرو بن کلثوم کا قصیدہ اس اسلوب کی عمدہ مثال ہے۔ اس میں عمرو بن کلثوم بادشاہ حیرہ کو دھمکی دیتے ہوئے کہتا ہے:

بأیّ مشیئۃٍ عمرو بن ھندٍ   نکون لقَیلِکم فیھا قطینا
بأیّ مشیئۃٍ عمرو بن ھندٍ   تریٰ أنّا نکونُ الارذلینا
بأیّ مشیئۃٍ عمرو بن ھندٍ   تطیع بنا الوشاۃ وتزدرینا[۵۱ھ]

(اے عمرو بن ہند، کس اقتدار کے بل بوتے پر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہارے سرداروں کے غلام بنیں؟
اے عمرو بن ہند، کس اقتدار کے بل بوتے پر تم سمجھتے ہو کہ ہم ذلیل ہیں؟
اے عمرو بن ہند، کس اقتدار کے بل بوتے پر تم ہم سے چاکری کرانا چاہتے ہو اور ہمیں حقیر سمجھتے ہو؟)

اس اسلوب کے بعض فوائد

قرآن نے اس اسلوب کو مختلف مواقع پر مختلف فوائد کے پیش نظر استعمال کیا ہے

(بقیہ گزشتہ حاشیہ)

۳۔ قرّبا مربط المشھّرِ منی   سوف تبدولنا ذوات الحجال
۴۔ قرّبا مربط المشھّرِ منی   اِنّ قولی مطابقٌ لفعالی
۵۔ قرّبا مربط المشھّرِ منی   لکلیبٍ فداہٗ عمّی وخالی

(شعراء النصرانیۃ ص: ۲۷۵-۲۷۴)

ترجمہ:- ۱۔ مشہّر (گھوڑے کا نام) کو مجھ سے قریب لاؤ کُلَیب (شاعر کا بھائی جو جنگ بسوس میں مارا گیا تھا) کی خاطر جس نے میرے سر پر بڑھاپا طاری کر دیا۔
۲۔ مشہّر کو مجھ سے قریب لاؤ اور مجھ سے پوچھو لیکن زیادہ سوالات مت کرنا۔
۳۔ مشہّر کو مجھ سے قریب لاؤ عنقریب پردہ نشینان میرے سامنے آجائیں گی۔
۴۔ مشہّر کو مجھ سے قریب لاؤ میرا قول میرے فعل سے ہم آہنگ ہے۔
۵۔ مشہّر کو مجھ سے قریب لاؤ کلیب کی خاطر جس پر میرے چچا اور ماموں فدا ہوں۔

۵۱ھ القرشی ابو زید محمد بن ابو الخطاب، جمہرۃ اشعار العرب ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء ص: ۱۴۳

جن میں سے چند ایک کی نشاندہی یہاں کی جاتی ہے:

۱۔ طول فصل کی وجہ سے جب کوئی لفظ یا مضمون ذہنوں سے اوجھل ہونے لگے تو اسے ذہن میں بٹھانے کے لیے دوبارہ ذکر کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ کیجئے:

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ
وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ
تَنْظُرُوْنَ ۙ وَنَحْنُ اَقْرَبُ
اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ
لَّا تُبْصِرُوْنَ فَلَوْلَآ اِنْ
كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۙ
تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۝
(واقعہ ۸۳-۸۷)

اب اگر تم کسی کے محکوم نہیں ہو اور
اپنے اس خیال میں سچے ہو تو جب مرنے
والے کی جان حلق تک پہونچ چکی
ہوتی ہے اور تم آنکھوں دیکھ رہے ہوتے
ہو کہ وہ مر رہا ہے اس وقت اس کی نکلتی
ہوئی جان کو واپس کیوں نہیں لے
آتے ہو۔ اس وقت تمہاری بہ نسبت
ہم اس سے زیادہ قریب ہوتے ہیں
مگر تم کو نظر نہیں آتے۔

ان آیات میں اعتراض کے جملوں کی وجہ سے تسلسل ٹوٹتا نظر آرہا تھا اس لیے اسے سلسلۂ کلام سے مربوط رکھنے کے لیے لَوْلَا کا تکرار ہو گیا ہے۔

لفظی تکرار کی دوسری مثال سورہ مائدہ میں بھی ہے۔ سورہ نساء کی یہ آیت بطورِ خاص مطالعہ کیجئے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ
كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ
قَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ
حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا
غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا
بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

آخر کار ان کی عہد شکنی کی وجہ سے، اور
اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ کی آیات
کو جھٹلایا، اور متعدد پیغمبروں کو ناحق
قتل کیا، اور یہاں تک کہا کہ ہمارے
دل غلافوں میں محفوظ ہیں — حالانکہ
درحقیقت ان کی باطل پرستی کے

اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ (۱۵۵، ۱۵۶)	سبب سے اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے اور اس وجہ سے یہ بہت کم ایمان لاتے ہیں ۔۔ پھر اپنے کفر میں یہ اتنے بڑھے کہ مریم پر سخت بہتان لگایا)

اسی طرح اللہ کا یہ قول بھی ملاحظہ فرمائیے :

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ (النحل ۱۱۹)	البتہ جن لوگوں نے جہالت کی بنا پر برا عمل کیا اور پھر توبہ کر کے اپنے عمل کی اصلاح کر لی تو یقیناً توبہ و اصلاح کے بعد تیرا رب ان کے لیے غفور اور رحیم ہے ۔

اس آیت میں طول فصل کی وجہ سے مفہوم منتشر ہوتا نظر آ رہا تھا چنانچہ پھر اِنَّ رَبَّكَ کے ذریعہ کلام کو مربوط کر دیا ۔

سورہ یوسف کی یہ آیت بھی اس اسلوب کی عمدہ مثال ہے : ۔

اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِىْ سٰجِدِيْنَ (۴)	میں نے گیارہ ستاروں کو دیکھا اور چاند اور سورج کو میں نے دیکھا کہ وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں ۔

اس آیت میں بھی رَاَيْتُهُمْ کی تکرار کا یہ اسلوب مستعمل ہے تاکہ سامعین کے دلوں میں بات اچھی طرح بیٹھ جائے اور وہ اس کا خاطر خواہ اثر لے سکیں ۔ قرآن کا یہ انداز انذار ملاحظہ کیجئے :

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِىَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ	کیا تم اس سے بے خوف ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے اور یکایک یہ زمین جھکولے

مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ۝
(ملک: ۱۶، ۱۷)

کھانے لگے؟ کیا تم اس سے بے خوف ہو جو آسمان میں ہے کہ تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تنبیہ کیسی ہوتی ہے۔

اسی سورہ میں آگے یوں دھمکی دیتا ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝
(ملک: ۲۸)

ان سے کہو کبھی انھوں نے سوچا کہ اللہ مجھے خواہ میرے ساتھیوں کو ہلاک کردے یا ہم پر رحم کرے کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟

ایک ہی آیت کے بعد پھر کہتا ہے:۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝
(ملک: ۳۰)

ان سے کہو کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر تمہارے کنوؤں کا پانی زمین میں اتر جائے تو کون ہے جو اس پانی کی بہتی ہوئی سوتیں تمہیں نکال کر لادے گا؟

قرآن کی مندرجہ ذیل آیات بھی پڑھئے اور تکرار کے اس اسلوب پر غور کیجئے:۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ

پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ آجائے گی جبکہ وہ سوئے پڑے ہوں؟ یا انھیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکایک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا جبکہ وہ کھیل رہے ہوں؟

اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ — کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔ (اعراف: ۹۷-۹۹)

ان تمام آیات میں بالترتیب ءَاَمِنْتُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ، قُلْ اَرَءَیْتُمْ اور اَوَاَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰی کی تکرار انذار میں زور پیدا کرنے کے لیے ہے کیا ان آیات کو سن کر منکرین حق پر لرزہ نہ طاری ہوگیا ہوگا۔

۳۔ تکرار کا یہ اسلوب تاکید کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً کسی حماسی شاعر کا کہنا ہے:

الٰی معدن العزّ المؤثل والندٰی — ھناك ھناك الفضل والخلق الجزل[۱۶]

(چلو عزت واقتدار کے مرکز کی طرف جو بہت عظیم ہے، سراپا سخاوت ہے اخلاقِ کریمہ اور فضیلت کی مہک وہیں میسر آئے گی)

قرآن کہتا ہے:۔

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ ھُوَ عَدُوٌّ لَّھُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰٓی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ کَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ (اعراف ۱۹) — پھر جب موسیٰؑ نے ارادہ کیا کہ دشمن قوم کے آدمی پر حملہ کرے تو وہ پکار اٹھا "اے موسیٰؑ، کیا آج تو مجھے اسی طرح قتل کرنے لگا ہے جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر چکا ہے؟ تو اس ملک میں جبار بن کر رہنا چاہتا ہے اصلاح کرنا نہیں چاہتا۔

ان جملوں میں تُرِیْدُ کا بار بار کا استعمال تاکید پیدا کرنے کے لیے ہے ایک دوسری جگہ قرآن کہتا ہے:

---

[۱۶] علی حازم و مصطفیٰ امین، البلاغۃ الواضحۃ ۱۹۵۶ء ص: ۲۵۳

قُلْ اِنِّیٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ	اے نبیؐ، ان سے کہو، مجھے حکم دیا گیا
اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ہ	ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خالص
وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ	کر کے اس کی بندگی کروں، اور مجھے
الْمُسْلِمِیْنَ ہ	حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں خود
(زمر: ۱۱-۱۲)	مسلم بنوں۔

اس آیت میں بھی اُمِرْتُ کی تکرار زور اور تاکید پیدا کرنے کے لیے ہے۔ سورہ مدثر کا مطالعہ کیجئے ایک منکر خدا و رسول کی پینترے بازیوں کے جواب میں کس طرح اس کی ہلاکت و بربادی کا اعلان کیا جا رہا ہے:

فَقُتِلَ کَیْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ	خدا کی مار اس پر کیسی بات بنانے کی
کَیْفَ قَدَّرَ	کوشش کی۔ خدا کی مار اس پر کیسی بات
(مدّثر: ۱۹، ۲۰)	بنانے کی کوشش کی۔

سورہ الانشراح میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ	بیشک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔
مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (۵، ۶)	بیشک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔

ایک ہی بات کو دوبارہ دہرایا گیا تاکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو پوری طرح تسلی ہو جائے کہ جن حالات سے اس وقت اسلام گزر رہا ہے وہ دیرپا نہیں ہیں بلکہ ان کے بالکل قریب ہی اچھے حالات آنے والے ہیں:۔

سورہ کافرون کو دیکھئے پہلے فرمایا کہ "اے کافرو! نہ میں پوجتا ہوں جسے تم لوگ پوجتے ہو اور نہ تم پوجتے ہو جسے میں پوجتا ہوں" پھر اسی مضمون کا اعادہ اگلی چوتھی اور پانچویں آیات میں کیا گیا ہے:

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ	اور نہ میں پوجنے کا جسے تم لوگ پوجنے
اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ	آئے اور نہ تم لوگ پوجنے کے جسے میں
(کافرون: ۴، ۵)	پوجتا ہوں۔

بلاغت کا تقاضا تھا کہ یہ اعلان برارت نہایت واضح اور مؤکد لفظوں میں کیا جاتا اور یہ بلاغت قرآن کی خصوصیت ہے کہ اس میں کہیں بے فائدہ تکرار نہیں پائی جاتی۔ وہ ہر تکرار کے ساتھ کسی جدید فائدہ کا اضافہ ضرور کر دیتا ہے۔ پس لفظ عَابِدُوْنَ مستقبل کی تمام امیدوں کا خاتمہ کر رہا ہے اور عَبَدْتُّمْ میں ان کے دین آبائی سے بیزاری کا اعلان ہے۔ اور مقابلۃً اس میں زیادہ شدت اور نفرت کا اظہار ہے۔[۱۴] اس کی مثال سورہ انبیاء میں بھی موجود ہے۔[۱۵]

۳۔ تکرار کا یہ اسلوب عاجزی اور مسکنت کے اظہار اور کسی بڑے کے سامنے اپنی درخواست پیش کرنے کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ بقرہ کا آخری حصہ ملاحظہ ہو:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا	اے ہمارے رب، ہم سے بھول چوک
أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ	میں جو قصور ہو جائیں ان پر گرفت نہ کر۔
عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى	مالک ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا	سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے، پروردگار
تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ	جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں
(البقرہ: ۲۸۶)	ہے وہ ہم پر نہ رکھ!"

اس آیت میں رَبَّنَا کی بار بار تکرار اپنی عاجزی کے اظہار اور درخواست کو عجز و مسکنت کا مجموعہ بنا کر پیش کرنے کے لیے ہے اور اس موقع کے لیے یہی اسلوب موزوں اور موثر ہے۔

۱۴؎ الفراہی حمید الدین، مجموعہ تفاسیر فراہی لاہور ص: ۶۴۳

۱۵؎ إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ أَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۵۲ تا ۵۴)

"جب انھوں (ابراہیم) نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن کی پرستش پر تم جمے بیٹھے ہو۔ وہ بولے، ہم نے اپنے بڑوں کو ان ہی کی پرستش کرتے پایا ہے (ابراہیم نے) کہا کہ بیشک تم اور تمہارے بڑے سب صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔"

سورہ ممتحنہ میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا ملاحظہ ہو:

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ	اے ہمارے رب تیرے ہی اوپر ہم نے
اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝	بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع
رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ	کرلیا اور تیرے ہی حضور ہمیں پلٹنا ہے
كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ج	اور اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ	لیے فتنہ نہ بنادے۔ اے ہمارے رب
	ہمارے قصوروں سے درگزر فرما، بیشک
(ممتحنہ ۴، ۵)	تو ہی زبردست اور دانا ہے۔

۵ ـ تکرار کا ایک فائدہ حسرت و افسوس کا اظہار بھی ہوتا ہے مثلاً حسین بن خطیر معن بن زائدہ کا مرثیہ کہتا ہے:

فيا قبر معنٍ انت اوّل حُفرةٍ ! مِن الارض خُطّت للسّماحة موضعًا

ويا قبر معنٍ كيف واريت جودَهُ وقد كان منهُ البرّ والبحر مترعًا [۱۹]

(اے معن کی قبر، تو اس روئے زمین کی اوّلین قبر ہے جس میں سخاوت و شرافت دفن کردی گئی ہے۔
اے معن کی قبر، تونے اس کی سخاوت کو کیسے چھپا لیا جبکہ بحر و بر اس سے بھرے پڑے ہیں!)

ایک اعرابیہ اپنے بچے کا مرثیہ یوں کہتی ہے:

يا مَنْ احسّ بُنَيَّ اللّذين هما كالدُّرّتين تشظّى عنهما الصدف

يا مَن احسّ بُنَيَّ اللّذين هما سَمْعي وطَرفي فطَرفي اليوم مختطف [۲۰]

(ہائے کس نے دیکھا میرے ان دونوں بیٹوں کو جو موتیوں کی مانند تھے جن سے صدف ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔
ہائے کس نے دیکھا میرے ان دونوں بیٹوں کو جو میرے کان اور میری بینائی تھے، آج میری بینائی چھن گئی ہے!)

---

۱۹ البلاغۃ الواضحۃ ص: ۲۶۹ ۲۰ البلاغۃ الواضحۃ ص: ۲۵۳

ان دونوں ٹکڑوں میں یاقوم معیٍ اور یا مَنْ احسنُ بُنَیَّ اللّذِین ھُمَا
کی تکرار درد وغم میں زور پیدا کرنے کے لیے ہے۔ سورہ قیامہ میں اللہ تعالیٰ کہتا ہے:

اَوْلیٰ لَکَ فَاَوْلیٰ ثُمَّ اَوْلیٰ
لَکَ فَاَوْلیٰ اَیَحْسَبُ
الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ
سُدًی
(قیامہ ۳۴ - ۳۶)

یہ روش تیرے ہی لیے سزاوار ہے
اور تجھی کو زیب دیتی ہے۔ ہاں یہ روش
تیرے ہی لیے سزاوار ہے اور تجھی کو زیب
دیتی ہے۔ کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا
ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟